التلخیص

لاجلی الإِعلام

ان الفتوی مطلقا علی قول الامام

ملخص: محمد احمد سعید سیالوی

جامعہ محمدیہ معینیہ

اجلی الاعلام ان الفتوی مطلقاً علی قول الامام کی تلخیص

الحمد للہ الحفی علی دینہ الحنفی الذی ایدنا بائمۃ یقیمون الاود ویدیمون المدد. باذن الجواد الصمد وجعل من بینہم امامنا الاعظم کالقلب فی الجسد والصّلوۃ والسلام علی الامام الاعظم للرسل الکرام الذی جاء نا حقا من قولہ المأمون استفت قلبك وان افتاك المفتون وعلیہم وعلی اٰلہ واٰلہم وصحبہ وصحبہم وفئا مہ و فئامہم الی یوم یدعی کل اناس بامامہم اٰمین

اعلیٰ حضرت مولانا الشاہ احمد رضا خان علیہ الرحمۃ کا یہ رسالہ جس مسئلہ کی بابت ہے وہ مسئلہ اس رسالہ کے نام سے ہی واضح ہے کہ مفتی پر لازم ہے کہ وہ امام اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے قول پر ہی فتوی دے اور یہ حکم علی الاطلاق ہے۔

یہ مسئلہ مختلف فیہ ہے کہ مفتی کیلئے امام صاحب کے قول کے علاوہ کسی دوسرے امام کے قول پر فتوی دینا جائز ہے یا نہیں۔

جمہور احناف اس بات کے ہی قائل ہیں کہ فتوی قولِ امام کے مطابق ہوگا۔غیر امام کے قول کیساتھ فتوی نہیں دیا جائے گا۔

جبکہ اعلی حضرت کی تحقیق کے مطابق علامہ خیر الدین رملی اور علامہ ابن عابدین شامی نے جمہور کی مخالفت کی ہے۔خیر الدین رملی جن کا البحر الرائق پر حاشیہ ہے۔انہوں نے البحر الرائق کے اُس مقام پر حاشیہ لکھتے ہوئے اعتراض کیا ہے جہاں صاحبِ بحر نے بڑے شاندار دلائل سے یہ ثابت کیا ہے کہ ہمارے لیے قولِ امام پر فتوی دینا ہی لازم ہے۔اور علامہ شامی نے پھر رملی کی عبارت کی توضیح کی ہے۔

سو ہمارے لیے ضروری ہے تینوں مقامات ہمارے پیشِ نظر ہوں

(1) صاحبِ بحر الرائق کا کلام:

(2) علامہ رملی کی طرف سے صاحبِ بحر کا رد:

(3) علامہ شامی کی طرف سے رملی کے کلام کی توضیح:

مندرجہ بالا تین مباحث کو سمجھنے کے بعد ہی اعلیٰ حضرت نے علامہ رملی اور علامہ شامی کا جو ردِ بلیغ فرمایا ہے وہ سمجھا جا سکتا ہے۔

صاحبِ بحر الرائق کا کلام:

سب سے پہلے صاحبِ بحر کا کلام جو کہ علامہ شامی نے عقود رسم المفتی میں بھی ذکر کیا ہے: وہ ملاحظہ ہو۔ علامہ شامی فرماتے ہیں

قال العلامة المحقق البحر فی صدر قضاء البحر بعد ما ذکر تصحیح السراجیة ان المفتی یفتی بقول ابی حنیفة علی الاطلاق وتصحیح حاوی القدسی، اذا کان الامام فی جانب وھما فی جانب ان الاعتبار لقوة المدرك ما نصه فان قلت کیف جاز للمشائخ الافتاء بغیر قول الامام الاعظم مع انهم مقلدون قلت قد اشکل علی ذلك مدة طویلة ولم ارفیه جوابا الاما فهمته الاٰن من کلامهم وهو انهم نقلوا عن اصحابنا "انه لا یحل لاحد ان یفتی بقولنا حتی یعلم من این قلنا حتی نقل فی السراجیة ان هذا سبب مخالفة عصام للامام وکان یفتی بخلاف قوله کثیرا لانه لم یعلم الدلیل وکان یظهر له دلیل غیره فیفتی به، فاقول ان هذا الشرط کان فی زمانهم اما فی زماننا فیکتفی بالحفظ کما فی القنیه وغیرها فیحل الافتاء بقول الامام بل یجب وان لم نعلم من این قال وعلی هذا فما صححه فی الحاوی مبنی علی ذلك الشرط وقد صححوا ان الافتاء بقول الامام فینتج من هذا انه یجب علینا الافتاء بقول الامام وان افتی المشائخ بخلافه لانهم انما افتوا بخلافه لفقد شرطه فی حقهم وهو الوقوف علی دلیله واما نحن قلنا الافتاء وان لم نقف علی دلیله، وقد وقع للمحقق ابن الهمام فی مواضع الرد علی المشائخ فی الافتاء بقولهما بانه لا یعدل عن قوله الا لضعف دلیله ولکن هو اهل للنظر فی الدلیل ومن لیس باهل للنظر فیه فعلیه الافتاء بقول الامام

کہ علامہ محقق صاحب بحر الرائق نے البحر الرائق کتاب القضاء کے شروع میں پہلے تصحیح سراجیہ اور تصحیح حاوی قدسی ذکر کی ہے

(۱) تصحیح سراجیہ: مفتی کو مطلقاً قول امام پر فتوی دینا ہوگا۔

(۲) تصحیح حاوی قدسی: اگر امام اعظم ایک جانب ہوں اور صاحبین دوسری جانب ہوں تو قوت دلیل کا

اعتبار ہوگا۔

''اگر یہ سوال ہو کہ مشائخ کو یہ جواز کہاں سے ملا کہ امام اعظم کے مقلد ہوتے ہوئے ان کے قول کو چھوڑ کر دوسرے قول پر فتوی دیں؟ تو میں کہوں گا یہ اشکال عرصۂ دراز تک مجھے درپیش رہا اور اسکا کوئی جواب نظر نہ آیا، مگر اِس وقت ان حضرات کے کلام سے جو انہوں نے ہمارے اصحاب سے نقل کیا ہے "انہ لایحل لاحد ان یفتی بقولنا حتی یعلم من این قلنا" (کسی کیلئے ہمارے قول پر فتوی دینا جائز نہیں جب تک اسے یہ علم نہ ہوجائے کہ ہمارا ماخذ اور ہمارے قول کی دلیل کیا ہے) اس اشکال کا حل سمجھ میں آیا (کہ دلیلِ امام کے عدمِ علم کی وجہ قولِ امام کے خلاف فتوی دیا جاتا تھا): حتی کہ سراجیہ میں یہ منقول ہے کہ علامہ عصام کی امام صاحب کی مخالفت کا یہی سبب ہے جو وہ بسا اوقات قولِ امام کے خلاف فتویٰ دیتے تھے کہ انہیں دلیلِ امام معلوم نہیں ہوتی تھی۔

میں کہتا ہوں یہ شرط (قولِ امام کی دلیل معلوم نہ ہونے پر فتوی دوسرے قول پر دے دیں) حضرات مشائخ کے زمانے میں تھی، لیکن ہمارے زمانے میں بس یہی کافی ہے کہ ہمیں اقوالِ امام حفظ ہوں (اور اسی کے مطابق فتوی دیں) جیسا کہ قنیہ وغیرہ میں ہے

اب اگر چہ ہمیں قولِ امام کی دلیل معلوم نہ ہو، تب بھی ہمارے لیے قول امام پر فتوی دینا جائز ہے بلکہ واجب ہے، اسی تفصیل کے پیشِ نظر تصحیح حاوی (اذا کان الامام فی جانب وھما فی جانب ان الاعتبار لقوة المدرك ای الدلیل) اسی شرط (قوت دلیل کا اعتبار) پر مبنی ہے۔ اور دوسری طرف یہ تصحیح بھی ہے کہ "ان الافتاء بقول الامام "(جیسا کہ سراجیہ میں ہے) ان دونوں تصحیحات سے یہ بات منتج ہوئی کہ ہم پر یہی لازم ہے کہ ہم قولِ امام پر ہی فتویٰ دیں، اگر چہ مشائخ اس کے برخلاف فتویٰ دے چکے ہوں اس لئے کہ قولِ امام کے خلاف افتائے مشائخ کی وجہ یہ ہے کہ قولِ امام پر فتویٰ دینے کیلئے اسکی دلیل سے باخبر ہونے کی جو شرط ان کے حق میں تھی وہ مفقود تھی (کہ وہ اس دلیل سے باخبر نہ ہوسکے اس لیے قول امام پر فتویٰ نہ دے سکے) اور ہمارے لیے یہ شرط نہیں کہ ہمیں دلیلِ امام کا علم ہو تب ہی قولِ امام پر فتویٰ دیں لہذا ہمیں قولِ امام پر ہی فتویٰ دینا ہے اگر چہ اسکی دلیل سے آگاہی نہ ہو۔ اسی وجہ سے محقق ابن ہمام نے متعدد مقامات پر قولِ صاحبین پر فتوی دینے کی وجہ سے مشائخ کا رد کیا ہے اور فرمایا ہے کہ قولِ امام سے انحراف کی صورت صرف یہ ہے کہ اسکی دلیل ضعیف ہو، لیکن محقق علی الاطلاق ابن ہمام میں

دلیل کو پرکھنے کی اہلیت تھی، جو بندہ دلیل میں نظر کی اہلیت نہیں رکھتا اس پر تو یہی لازم ہے کہ قولِ امام پر فتوی دے۔‘‘

یہاں اہلیت کا مطلب یہ ہے کہ اقوال کی معرفت اور ان کے مراتب میں امتیاز کی لیاقت کیساتھ ساتھ ایک کو دوسرے پر ترجیح دینے کی قدرت حاصل ہو۔

علامہ رملی کی طرف سے صاحبِ بحر الرائق کا رد:

محشی البحر الرائق علامہ رملی نے صاحب بحر کے کلام کا جو رد کیا ہے۔عقود رسم المفتی سے اب وہ ملاحظہ ہو۔

اقول:لا یخفی علیك مافی هذا الکلام من عدم الانتظام ولهذا اعترضه محشیه الخیر الرملی بأن قوله یجب علینا الافتاء بقول الامام وان لم نعلم من این قال مضاد لقول الامام لا یحل لاحد ان یفتی بقولنا حتی یعلم من این قلنا اذهو صریح فی عدم جواز الافتاء بغیر اهل الاجتهاد فکیف یستدل به علی وجوبه فنقول مایصدر من غیر الاهل لیس بافتاء حقیقة وانما هو حکایة عن المجتهد انه قائل بکذا واعتبار هذا الملحظ تجوز حکایة قول غیر الامام فکیف یجب علینا الافتاء بقول الامام وان افتی المشائخ بخلافه ونحن انما نحکی فتواهم لا غیر فلیتامل

’’میں کہتا ہوں: اس کلام کی بے نظمی ناظرین پر مخفی نہیں، اسی وجہ سے خیر الدین رملی نے اس پر اعتراض کیا ہے کہ ان دو اقوال کے درمیان تضاد ہے

(قول نمبر 1):یجب علینا الافتاء بقول الامام وان لم نعلم من این قال ’’ہمیں قولِ امام پر فتویٰ دینا واجب ہے اگر چہ اس قول کی دلیل معلوم نہ ہو‘‘

(قول نمبر 2):لا یحل لاحد ان یفتی بقولنا حتی یعلم من این قلنا ’’کسی کیلئے ہمارے قول پر فتویٰ دینا اس وقت تک حلال نہیں جب تک کہ اسے یہ علم نہ ہو جائے کہ ہم نے کہاں سے کہا‘‘

کیوں کہ یہ قول (لا یحل لاحد ان یفتی بقولنا حتی یعلم من این قلنا) اس امر میں صریح ہے کہ اہلیت اجتہاد کے بغیر فتویٰ دینا جائز نہیں، پھر اس سے اس شرط کے بغیر وجوبِ افتاء پر استدلال کیسے ہو سکتا ہے؟ تو ہم یہ کہتے ہیں کہ غیر اہلِ اجتہاد سے جو حکم صادر ہوتا ہے وہ حقیقۃً افتاء نہیں، وہ تو امام

مجتہد سے صرف اس بات کی نقل وحکایت کرنا ہے کہ وہ اس حکم کے قائل ہیں، جب حقیقت یہ ہے تو غیر امام کے قول کی نقل وحکایت بھی جائز ہے، پھر ہم پر یہ کیسے واجب رہا کہ ہم قولِ امام ہی پر فتوی دیں اگر چہ مشائخ نے اس کے برخلاف فتویٰ دیا ہو حالاں کہ ہم تو صرف مشائخ کے فتوی کے ناقل ہیں اور کچھ نہیں۔ یہاں تأمل کی ضرورت ہے (کلامِ رملی منتہی ہوا)

علامہ شامی کی طرف سے علامہ رملی کے کلام کی توضیح وتشریح:

علامہ شامی نے جو کلام رملی کی تشریح وتوضیح عقود رسم المفتی میں ذکر کی ہے وہ ملاحظہ ہو۔

(وتوضيحه) ان المشائخ اطلعوا على دليل الامام وعرفوا من اين قال و اطلعو اعلى دليل اصحابه فيرجحون دليل اصحابه على دليله فيفتون به ولا يظن بهم انهم عدلوا عن قوله لجهلهم بدليله فانا نرهم قدشحنوا كتبهم بنصب الادلة ثم يقولون الفتوى على قول ابى يوسف مثلا وحيث لم نكن اهلا للنظر فى الدليل ولم نصل الى رتبتهم فى حصول شرائط التفريع والتاصيل فعلينا حكاية ما يقولونه لانهم هم اتباع المذهب الذين نصبوا انفسهم لتقريره وتحريره باجتهادهم (وانظر) الى ما قدمناه من قول العلامة قاسم ان المجتهدين لم يفقدوا حتى نظروا فى المختلف ورجعوا وصححوا الى ان قال فعلينا اتباع الراجح والعمل به كمالو افتوا فى حياتهم (وفى) فتاوى العلامة ابن الشلبى ليس للقاضى ولا للمفتى العدول عن قول الامام الا الا اذا صرح احد من المشائخ بان الفتوى على قول غيره فليس للقاضى ان يحكم بقول غيرا بى حنيفة فى مسئلة لم يرجح فيها قول غيره ورجحوا فيها دليل ابى حنيفة على دليله فان حكم فيها فحكمه غير ماض ليس له غيرالا نتقاض

(علامہ شامی فرماتے ہیں) اسکی توضیح یہ ہے کہ مشائخ کو دلیلِ امام سے آگاہی حاصل ہوئی، انہیں علم ہوا کہ امام نے کہاں سے فرمایا، ساتھ ہی اصحابِ امام کی دلیل سے بھی وہ آگاہ ہوئے اور انہوں نے (بعض اوقات) دلیلِ اصحاب کو دلیلِ امام پر ترجیح دی اور دلیلِ اصحاب کے مطابق فتوی دے دیا۔

ان کے بارے یہ گمان نہیں کیا جاسکتا کہ انہوں نے قولِ امام سے انحراف اس لیے اختیار کیا کہ انہیں ان کی

دلیل کا علم نہ تھا۔ اس لئے کہ ہم دیکھ رہے ہیں حضرات مشائخ نے دلائل قائم کر کے اپنی کتابیں بھر دی ہیں اور اسکے بعد بھی لکھتے ہیں کہ فتوی امام ابو یوسف کے قول پر ہے۔ اور ہم میں چونکہ دلیل میں نظر کی اہلیت نہیں ،اور نہ ہی تاسیس اصول اور تخریج فروع کی شرائط کے حصول میں رتبۂ مشائخ تک رسائی حاصل ہے لہذا ہمارے ذمہ یہی ہے کہ ہم مشائخ کے اقوال نقل کر دیں ، کیونکہ یہی حضرات مذہب کے ایسے متبع ہیں جنہوں نے اپنے اجتہاد کی قوت سے مذہب کی تقریر وتحریر کی ذمہ داری اٹھا رکھی ہے۔ ملاحظہ ہو علامہ قاسم کی عبارت جو ہم پیش کر آئے ، وہ فرماتے ہیں : مجتہدین پیدا ہوتے رہے یہاں تک کہ انہوں نے مقام اختلاف میں نظر فرما کر ترجیح وتصحیح کا کام سرانجام دیا تو ہمارے اوپر اسکی پیروی اور اسی پر عمل کرنا لازم ہے جو راجح قرار دیا جا چکا ہے جیسے ان حضرات کے اپنی حیات میں فتویٰ دینے کی صورت میں ہوتا۔ علامہ ابن شبلی کے فتاوی میں مرقوم ہے کہ قاضی یا مفتی کو قولِ امام سے انحراف کی گنجائش نہیں مگر اس صورت میں جب کہ مشائخ میں سے کسی نے صراحت فرمائی ہو کہ فتوی امام صاحب کے سوا کسی اور کے قول پر ہے،تو قاضی کو امام کے علاوہ دوسرے کے قول کے مطابق حکم لگانا جائز نہیں ہر اس مسئلہ میں جس میں امام کے علاوہ کسی دوسرے کے قول کو ترجیح نہ دی گئی ہو اور امام صاحب کے دلیل کو ترجیح دی گئی ہو، اگر ایسے مسئلہ میں قاضی نے خلاف امام فیصلہ کر دیا تو اس کا فیصلہ نافذ نہ ہوگا ، بے ثباتی کی وجہ سے خود بخود ختم ہو جائے گا''

(فائدہ)

اگر یہ سوال ہو کہ حضرات مشائخ کہیں متعدد اقوال بلا ترجیح نقل کر دیتے ہیں اور کبھی تصحیح کے معاملہ میں اس دوسرے سے اختلاف رکھتے ہیں ، ان مسائل میں ہم کیا کریں؟ تو اسکا جواب یہ ہوگا کہ جیسے ان حضرات نے عمل کیا ویسے ہی ہمارا عمل ہوگا ،جس میں زیادہ آسانی اور فائدہ ہو یا جس پر لوگوں کا عمل درآمد نمایاں ہو یا جس کی دلیل قوی ہو۔

تحقیق اعلیٰ حضرت علیہ الرحمۃ:

(1) صاحبِ بحر کا کلام،

(2) علامہ رملی کی طرف سے صاحبِ بحر کا رد اور

(3) علامہ شامی کی طرف سے رملی کے کلام کی توضیح

مندرجہ بالا تین مقامات کی تشریح کے بعد اعلیٰ حضرت کی تحقیق کا خلاصہ پیشِ خدمت ہے

اعلیحضرت فرماتے ہیں ، اس مسئلہ میں بیانِ حق کیلئے ہم چند مقدمات پیش کرتے ہیں جن سے حقیقت سے پر

دہ اٹھے گا۔

(مقدمہ اول) **الفرق بین الافتاء والنقل**

کسی قول کی نقل وحکایت اور کسی قول پر افتاء دونوں میں فرق ہے،

کیونکہ ہم اپنے مذہب سے خارج بہت سے اقوال بیان کرتے ہیں جن سے کسی کو یہ وہم بھی نہیں ہوتا کہ ہم ان اقوال پر فتوی دے رہے ہیں، جبکہ افتاء یہ ہے کسی پر اعتماد کر کے سائل کو یہ بتایا جائے کہ تمہاری مسؤلہ صورت میں حکم شرعی یہ ہے، اور افتاء کسی کیلئے اس وقت تک جائز نہیں جب تک اسے دلیل شرعی کا علم نہ ہو، اگر بغیر دلیل شرعی کے فتوی دیا تو یہ جزاف (اٹکل سے بتانا) اور افتراء ہوگا اور فرمانِ باری تعالیٰ ''اَمْ تَقُوْلُوْنَ عَلَى اللهِ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ'' کا تحت داخل ہوگا۔

(مقدمہ دوم) **الدلیل قسمان: تفصیلی واجمالی**

دلیل دو طرح کی ہوتی ہے، تفصیلی اور اجمالی۔

تفصیلی یہ ہے اس سے آگاہی اہل نظر واجتہاد کا خاص حصہ ہے دوسرے کو اگر کسی مسئلہ میں دلیل مجتہد کا علم ہوتا بھی ہے تو تقلیداً ہوتا ہے۔

اور اجمالی جیسے عموماتِ شرعیہ

جیسے ارشاد باری تعالیٰ ''فَسْئَلُوْٓا اَهْلَ الذِّكْرِ اِنْ كُنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ'' ''يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَطِيْعُوا اللهَ وَاَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ وَاُولِي الْاَمْرِ مِنْكُمْ'' میں ہے، اور اصحابِ امر اصح قول کے مطابق علماء کرام ہیں، اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا قول ہے ''اِنَّمَا شِفَاءُ الْعِيِّ السُّؤَالُ'' کہ عاجز کا علاج سوال کرنے میں ہے۔

اس سے یہ بھی واضح ہوا کہ اپنے امام کے قول کو تسلیم کرنا تقلیدِ شرعی نہیں بلکہ تقلیدِ عرفی ہے کیونکہ دلیلِ تفصیلی کی ہمیں معرفت نہیں اور تقلیدِ عرفی ہر اس شخص پر واجب ہے جو درجہ اجتہاد پر فائز نہیں۔ تقلیدِ حقیقی کی شریعت میں گنجائش نہیں، اور مذمتِ تقلید میں جو کچھ وارد ہے وہ تقلیدِ حقیقی کے متعلق وارد ہوا ہے۔

(مقدمہ سوم) **ان الجمهور علی منع اهل النظر من تقلید غیرہ**

اہلِ نظر واجتہاد کیلئے یہ جائز نہیں کہ دوسرے کسی مجتہد کی تقلید کرے اور اگر وہ دوسرے کا قول اسکی دلیلِ تفصیلی سے آگاہی کے بغیر لے لیتا ہے تو جمہور کے نزدیک یہ تقلیدِ حقیقی ہے جو کہ بالاجماع حرام ہے، عامی کا حکم اس کے برخلاف ہے کیونکہ دلیلِ تفصیلی سے ناآشنائی اس پر واجب کرتی ہے کہ وہ مجتہد کی تقلید کرے، وگرنہ لازم آئے گا کہ اسے

ایسے امر کا مکلف قرار دیا گیا ہے جو اسکے بس میں نہیں (دلیل تفصیلی سے آگاہی اس کے بس میں نہیں) یا اسے بے کار چھوڑ دیا گیا ہے۔

اس سے ثابت ہوا کہ دلیلِ تفصیلی کی عدمِ معرفت کے دو اثر ہیں

(۱) صاحبِ نظر کیلئے تقلید کو حرام کرتی ہے۔

(۲) اور غیرِ اہل نظر کیلئے یہی عدم معرفت تقلید کو واجب کرتی ہے۔

اور یہ کوئی حیرت انگیز بات نہیں کہ ایک چیز ایک حیثیت سے واجب ہو اور ایک سے حرام۔

(مقدمہ چہارم) <u>الفتوی حقیقة وعرفیة</u>

فتوی دو قسم پر ہے (۱) حقیقی فتوی (۲) عرفی فتوی

<u>حقیقی فتویٰ</u> یہ ہے کہ دلیلِ تفصیلی کی معرفت کیساتھ فتوی دیا جائے اور انہی حضرات کو اصحابِ فتوی کہا جاتا ہے جو دلیلِ تفصیلی کی معرفت رکھتے ہوں جیسا کہ فقیہ ابوجعفر ،فقیہ ابواللیث۔

<u>فتویٰ عرفی</u> یہ ہے کہ اقوالِ امام کا علم رکھنے والا اس تفصیلی آشنائی کے بغیر انکی تقلید کے طور پر کسی نہ جاننے والے کو بتائے

(مقدمہ پنجم) <u>القول قسمان: صوری وضروری</u>

قول کی دو قسمیں ہیں (۱) قولِ صوری (۲) قولِ ضروری

<u>قولِ صوری</u> یہ ہے جو کسی سے صراحۃً منقول ہو

<u>قولِ ضروری</u> یہ ہے کہ جسے قائل نے صراحۃً تو نہیں کہا مگر کسی ایسے عموم کے ضمن میں ضروری اور بدیہی طور پر یہ سمجھ آتا ہے کہ اگر وہ اس خصوص (صورت مسئولہ) میں کلام کرتا تو اس کا کلام ایسے ہی ہوتا، کبھی حکمِ ضروری حکمِ صوری کے خلاف بھی ہوتا ہے، ایسی صورت میں حکمِ ضروری حکمِ صوری کے خلاف راجح اور حاکم ہوتا ہے یہاں تک کہ صوری کو لینا قائل کی مخالفت اور ضروری کو لینا قائل کی موافقت شمار ہوتا ہے۔

مثلاً زید جب نیک وصالح تھا تو عمرو نے اپنے خدام کو صراحۃً علانیۃً زید کی تعظیم کا حکم دیا، اور عمرو ایک زمانہ پہلے اپنے خدام کو ہمیشہ فاسق کی تعظیم سے روک بھی چکا تھا۔ پھر کچھ دنوں بعد زید فاسق معلن ہو گیا، اب اگر عمرو کے خدام اسکے حکمِ صوری جو کہ زید کی تعظیم سے متعلق ہے، اس پر عمل کریں تو عمرو کے نافرمان شمار ہونگے، اور اسکی تعظیم ترک کر دیں تو اسکے فرمانبردار شمار ہونگے۔

ایسے ہی اقوالِ ائمہ میں حکمِ ضروری حکمِ صوری کے خلاف ہوتا ہے۔

اور اسکے درج ذیل اسباب ہیں

(۱) ضرورت

(۲) مفاسد دور کرنا

(۳) عرف کا لحاظ کرنا

(۴) تعامل پر کاربند ہونا

(۵) کوئی اہم مصلحت جس کی تحصیل مطلوب ہے

(۶) کوئی بڑا مفسدہ جس کا ازالہ مطلوب ہے،

اب اگر کسی مسئلہ میں کسی امام کا کوئی صریح حکم رہا ہو پھر حکم تبدیل کرنے والے مذکورہ بالا امور کی وجہ سے حکم تبدیل کردیں تو ہمیں قطعاً یہ یقین ہوگا کہ یہ امر اگر ان کے زمانے میں پیدا ہوتا تو ان کا قول ان امور کے تقاضے کے مطابق ہی ہوتا، ایسی صورت میں ان سے غیر منقول قولِ ضروری پر عمل کرنا ہی دراصل ان کے قول پر عمل کرنا ہے، ان سے نقل شدہ اقوال پر جم جانا انکی پیروی نہیں ہے۔

اسکی نظیر نصِ شارع علیہ الصلوۃ والسلام سے بھی ملتی ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا: ''اذا استأذنت احدکم امرأته الی المسجد فلا یمنعها'' جب تم میں سے کسی کی بیوی مسجد جانے کی اجازت مانگے تو وہ ہرگز اسے نہ روکے، اور ایسے ہی یہ ارشاد فرمایا: لا تمنعوا اماء الله مساجد الله: کہ اللہ کی بندیوں کو اللہ کی مسجدوں سے نہ روکو۔۔اس کے باوجود ائمہ کرام نے جوان عورتوں کو مطلقاً اور بوڑھی عورتوں کو صرف دن میں مسجد جانے سے منع کیا ہے، اور پھر سب کیلئے ممانعت عام کردی، یہ رسول اللہ ﷺ کے اس ''قولِ ضروری'' پر عمل کے تحت کیا جوام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے درج ذیل بیان سے مستفاد ہے لو ان رسول الله ﷺ رأی من النساء ما رأینا لمنعهن من المسجد کما منعت بنو اسرائیل نساءها ''اگر حضور سرورِ عالم ﷺ ان عورتوں کا وہ حال مشاہدہ کرتے جو ہم نے مشاہدہ کیا تو انہیں مسجد سے روک دیتے جیسے بنی اسرائیل نے اپنی عورتوں کو روک دیا''

(مقدمہ ششم) حامل آخر علی العدول عن قول الامام

قولِ امام چھوڑنے کا ایک اور باعث ہے جو اصحابِ نظر کیساتھ خاص ہے، وہ یہ ہے امام کی دلیل انکی نظر میں

کمزور ہو، اس مقام پر قولِ امام چھوڑنے کا جواز اس لیے ہے کہ انہیں اسی کی اتباع کا حکم ہے جو ان پر ظاہر ہوا ہے جیسا کہ فرمانِ باری تعالیٰ ہے"فَاعْتَبِرُوْا یٰاُولِی الْاَبْصَارِ"اے بصیرت والو! نظر واعتبار سے کام لو، انکے کیلئے قولِ امام کو چھوڑنے کے علاوہ کوئی گنجائش ہی نہیں، اور وہ اس وجہ سے بھی اتباعِ امام سے باہر نہیں ہونگے بلکہ امام کے اس قولِ عام کے متبع رہیں گے"اذا صح الحدیث فھو مذھبی"جب حدیث صحیح ہوجائے تو وہی میرا مذہب ہے، رد المحتار میں ہے اذا صح الحدیث و کان علی خلاف المذھب عمل بالحدیث ویکون ذلك مذھبه ولا یخرج مقلدہ عن کونه حنفیا بالعمل به فقد صح عنه انه قال اذا صح الحدیث فھو مذھبی"
جب حدیث صحیح ہواور مذہب کے خلاف ہوتو حدیث پر عمل ہوگا، اور وہی امام کا مذہب بھی ہوگا اور اس پر عمل کی وجہ سے ان کا مقلد حنفیت سے باہر نہیں ہوگا"

نوٹ:

(یہاں صحت سے مراد صحتِ فقہی ہے، اصطلاح محدثین والی صحت نہیں، جیسا کہ اعلیٰ حضرت امام احمد رضا خان علیہ الرحمۃ نے"الفضل الموھبی"میں دلائل قاہرہ سے بیان کیا ہے)

(مقدمہ ہفتم) تقدم قول الامام علی اختلاف التصحیح

جب تصحیح میں اختلاف ہوتو امام اعظم کا قول مقدم ہوگا اگر چہ قولِ امام کی دلیل معلوم نہ، اگر چہ مشائخ نے تصریح فرمائی ہو کہ فتوی صاحبین کے قول پر ہے کیونکہ وہی صاحب مذہب ہیں جیسا کہ رد المحتار اور فتاوی خیریہ میں اسکی تصریح موجود ہے۔

نتیجہ کلام:

مندرجہ بالا مقدمات کو سامنے رکھتے ہوئے یہ واضح ہوا کہ بحر الرائق کی عبارت کی تردید میں جو خیر الدین رملی نے کہا اور پھر ابن عابدین نے جو اسکی توضیح کی وہ سب نا قابل اعتناء ہے۔

ذیل میں اسکی مزید تفصیل ملاحظہ ہو۔

قول ش(شامی) رحمه الله تعالیٰ: لا یخفی علیك ما فی ھذا الکلام من عدم الانتظام

علامہ شامی کا یہ قول: اس کلام کی بے نظمی ناظرین پر مخفی نہیں

قول العلامة الخیر: قوله مضاد لقول الامام

علامہ خیر الدین رملی کا قول: اس کلام اور کلام امام میں تضاد ہے

یہ دونوں اعتراض (کلامِ بحر کی بے نظمی، اور قولِ تضاد ۔۔ جو کہ درحقیقت ایک ہی اعتراض ہیں، کیونکہ علامہ رملی نے صاحبِ بحر کی جو بے نظمی بیان کی ہے وہ تضاد سے ہی متعلق ہے) بے جا ہیں، کیونکہ کلام مربوط اور ایک دوسرے کی گرہ تھامے ہوئے ہے۔

قولِ امام (لا یحل لاحد ان یفتی بقولنا حتی یعلم من أین قلنا) اور اس قول (یجب علینا الافتاء بقول الامام وان لم نعلم من أین قال) میں کوئی تضاد نہیں جیسا کہ مقدمہ چہارم سے معلوم ہوا کہ قولِ امام فتویٰ حقیقی سے متعلق ہے اور وہ قول صرف اہلِ نظر کے حق میں ہے۔اس کے سواء ان کے کلام کا کوئی اور معنیٰ نہیں ورنہ لازم آئے گا کہ امام نے فتویٰ عرفی کو حرام کہا، حالانکہ وہ بالا جماع حلال ہے

اور اسکی تائید منحۃ الخالق علی البحر الرائق کتاب القضاء میں فتاوی ظہیریہ کی اس روایت سے بھی ہوتی ہے۔

روایت ملاحظہ ہو روی عن ابی حنیفة رضی الله تعالی عنه انه قال لا یحل لاحد ان یفتی بقولنا مالم یعلم من این قلنا وان لم یکن من اهل الاجتهاد لا یحل له ان یفتی الا بطریق الحکایة۔

سیدنا امام اعظم ابوحنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے: وہ فرماتے ہیں: کسی کے لئے ہمارے قول پر فتوی دینا روا نہیں جب تک وہ یہ نہ جان لے کہ ہم نے کہاں سے کہا ہے، اور اگر وہ شخص اہل اجتہاد نہ ہو اس کے لئے فتوی دینا جائز نہیں مگر وہ نقل وحکایت کے طور پر فتوی دے سکتا ہے۔

اور بحر الرائق کا کلام فتویٰ عرفی سے متعلق ہے، تو جب دونوں کلام کا محل ایک نہیں تو تضاد کیسے ثابت ہوا۔

قوله: هو صريح في عدم جواز الافتاء لغير اهل الاجتهاد فكيف يستدل به على الوجوب

خیر الدین رملی کا یہ استدلال بھی جائز نہیں کیونکہ فتوی حقیقی کا عدمِ جواز تو صراحۃً واضح ہے، اور بحر میں جس کا وجوب ثابت کیا گیا ہے وہ فتویٰ عرفی کا ہے۔

قوله: فنقول: ما يصدر من غير الاهل ليس بافتاء حقيقة، وأنما هو حكاية عن المجتهد

رملی کا یہ کہنا جو غیر اہل سے صادر ہو وہ حقیقۃً افتاء نہیں ہے، یہ تو ٹھیک ہے لیکن یہ اس سے کیسے لازم آیا کہ وہ مجتہد سے حکایت ہے، افتاء نہیں، وہ افتاء عرفی ہے، نقل وحکایت اور فتوی میں فرق پہلے مقدمے میں گزر چکا ہے۔

قوله: فكيف يجب علينا الافتاء بقول الامام

اس لیے کہ تقلید ہم نے انہی کی کی ہے دوسرے کی نہیں، اور شامی نے متعدد مقامات پر خود اس کا اعتراف کیا

ہے، جیسا کہ ردالمحتار میں لکھتے ہیں

''ہم نے انہی کے مذہب کی تقلید کا التزام کیا ہے، دوسرے کے مذہب کا نہیں، اسی لیے ہم کہتے ہیں ہمارا مذہب حنفی ہے، یوسفی اور شیبانی (امام ابو یوسف اور امام محمد کیطرف منسوب کر کے) نہیں۔

قوله: وأنما نحكي فتواهم لا غير

اس کا مطلب ہمارے افتاء کی حقیقت صرف یہ ہے کہ دوسروں کے قول کی نقل وحکایت! تو وہ کون ہے جس نے ہم پر امام کے قول کی حکایت حرام کردی اور دوسروں کے قول کی حکایت واجب کردی؟ اگرچہ وہ مرجحین ہیں، لیکن وہ وہ امام پر ترجیح یافتہ تو نہیں۔

قول ش: المشائخ اطلعوا على دليل الامام وعرفوا من أين قال

یہ شامی کو کیسے پتہ چلا کہ مشائخ کو دلیلِ امام کا پتہ تھا؟ حالانکہ ایسا نہیں ہے کیونکہ امام سے تو صرف مسائل منقول ہیں دلائل منقول نہیں، اصحاب نے اجتہاد کر کے ان مسائل کی دلیلوں کا استخراج کیا ہے، اور وہ بھی ہر ایک نے اپنے مبلغِ علم کے مطابق، کوئی بھی امام کی منزل کو نہ پا سکا، بلکہ ان کے دسویں حصے کو بھی نہ پہنچا، جیسا کہ امام شافعیؒ نے فرمایا: **ما قامت النساء عن رجل اعقل من ابی حنيفة**

قوله: ولا يظن بهم انهم عدلوا عن قوله لجهلهم بدليله

اولاً کیا حضرتِ امام کے متعلق یہ گمان کیا جا سکتا ہے کہ انہیں وہ دلیل نہ مل سکی جو مشائخ کو ملی، اس لئے انہوں ایسی چیز پر اعتماد کر لیا جسے مشائخ نے ضعیف ہونے کی وجہ سے رد کر دیا؟ دونوں گمانوں سے کون سا گمان بعید ہے؟

ثانیاً یہ مشائخ اگر اپنے امام کے مبلغ علم کو نہ پا سکے تو ان میں انکی کوئی بے عزتی نہیں، (اس کے متعلق ''**لا يظن**'' کہنا درست نہیں) اس پایہ بلندی تک تو مجتہدین فی المذہب میں سے سب سے عظیم شخصیت امام ثانی قاضی ابو یوسف بھی نہ پہنچ سکے، کسی اور کا تو کیا ذکر وشمار؟

جیسا کہ امام ابو یوسف خود فرماتے ہیں: کسی بھی مسئلہ میں جب میں نے انکی مخالفت کی پھر اس میں غور کیا تو مجھے یہی نظر آیا کہ امام نے جو مذہب اختیار کیا ہے وہ آخرت میں زیادہ نجات بخش ہے، بعض اوقات میرا میلان حدیث کیطرف ہوتا تو بعد میں یہی نظر آتا کہ امام کو حدیث کی بصیرت مجھ سے زیادہ ہے۔ اسی طرح سفیان ثوری نے کہا: آپ پر تو وہ علم منکشف ہوتا ہے جس سے ہم سب غافل ہوتے ہیں۔

قولہ: شحنوا کتبھم بنصب الادلۃ

ساری دلیلیں درایۃً قائم کی ہیں، روایۃً نہیں، اب ان مشائخ کی درایت کو امام کی درایت سے کیا نسبت؟

قولہ: ثم یقولون الفتوی علی قول ابو یوسف مثلا

اس کی وجہ یہ ہے کہ ان پر وہ دلیل ظاہر نہیں ہوئی جو امام پر ظاہر تھی، اور یہ حضرات اہلِ نظر ہیں اس لئے انہیں اسی دلیل کی پیروی کرنی تھی جو ان پر ظاہر ہوئی کیونکہ خود امام کا قول ہے: **لا یحل لاحد ان یفتی بقولنا حتی یعلم من این قلنا**

قولہ: فعلینا حکایۃ ما یقولونہ

یہ اس کے ذمے ہے جس نے امام کی تقلید چھوڑ کر مشائخ کی تقلید اختیار کر لی ہو، مقلد امام کے ذمے وہی نقل کرنا ہے اور لینا ہے جو امام نے فرمایا

قولہ: لانھم ھم اتباع المذھب

اگر ایسا ہے تو متبوع، تابع سے زیادہ مستحقِ اتباع ہے

قولہ: عن العلامۃ قاسم "کما لو افتوا فی حیاتھم"

اولاً خدا آپ پر رحم کرے بتایئے اگر امام دنیا میں باحیات ہوتے اور یہ حضرات بھی باحیات ہوتے، پھر امام بھی فتویٰ دیتے اور یہ بھی تو آپ کس کی پیروی کرتے

ثانیاً علامہ قاسم کا کلام صرف ان مسائل کے متعلق ہے جن مسائل میں فتویٰ دیتے وقت مشائخ کی جانب ہی رجوع کرنا پڑتا ہے، اس لیے کہ ان مسائل میں امام سے کوئی روایت نہیں، یا امام سے مختلف روایات ہیں، یا ان چھ اسباب سے کوئی سبب موجود ہے جن کا ذکر مقدمہ پنجم میں گزر چکا ہے۔

ثالثاً بفرض غلط اگر علامہ قاسم کا مقصود وہی ہے جو آپ مراد لے رہے ہیں تو پھر بھی اس مسئلہ میں علامہ قاسم کے استاد محقق علی الاطلاق کے قول کو ترجیح حاصل ہوگی، جسے آپ (شامی) نے بھی نقل کیا ہے اور قبول کیا ہے کہ ابن ہمام نے قولِ صاحبین پر افتاء کی وجہ سے بارہا مشائخ کا رد کیا ہے اور فرمایا ہے: **لا یعدل عن قولہ الا لضعف دلیلہ**

قولہ عن العلامۃ ابن الشلبی: الا اذا صرح احد من المشائخ بان الفتوی علی قول غیرہ

یہاں تین صورتیں بنتی ہیں (۱) دیگر مشائخ اس مفتی کے موافق ہیں (۲) یا اس کے مخالف ہیں (۳) یا ساکت ہیں کہ انہوں نے کسی کے قول کو ترجیح نہیں دی، تیسری صورت تو واقع ہی نہیں اور دوسری صورت میں کلام ابن شبلی پر منع

ظاہر ہے (یعنی ایک شخص نے قولِ غیر پر فتویٰ دیا باقی تمام حضرات نے قولِ امام پر فتویٰ دیکر اسکی مخالفت کی) کہ تمام اصحابِ ترجیح کی جانب سے ترجیح یافتہ قولِ امام سے محض ایک فتوے کی بنیاد پر انحراف کیوں ہوگا۔ جیسے درمختار میں ہے کہ امام کے نزدیک شبہ عقد کی وجہ سے حد نہیں جیسے مَحرم سے وطی کرنا جس سے نکاح کرلیا ہو۔ صاحبین فرماتے ہیں اگر حرمت سے آگاہ ہے تو حد ہوگی اسی پر فتویٰ ہے۔ لیکن تمام شروح پر ترجیح یافتہ قولِ امام ہی ہے تو اسی پر فتویٰ اولیٰ ہے۔ اور پہلی صورت (کہ دیگر مشائخ بھی اسی مفتی کے ہم نوا ہیں اور انہوں نے امام کے علاوہ قولِ غیر پر فتویٰ دینے میں اس مفتی کی موافقت کی) یہ بلاشبہ مسلم ہے، اور اس کا وجود انہی چھ صورتوں میں سے کسی ایک میں ہوگا۔

تفصیل اس مسئلہ میں یہ ہے: مسئلہ میں ان چھ اسبابِ تغیر سے کوئی رونما ہوا ہے یا نہیں (۱) اگر ہے تو حکم اسی سبب کے تحت ہوگا، اور یہ امام کا قولِ ضروری ہوگا جس پر مطلقاً اعتماد ہے خواہ ان کا قولِ صوری، بلکہ ان کے اصحاب کا قول اور مرجحین کی ترجیحات بھی اس کے موافق ہوں یا نہ ہوں، کیونکہ ہمیں یہ معلوم ہے اگر یہ سبب ان حضرات کے زمانے میں رونما ہوتا تو وہ بھی اسی پر حکم دیتے، امام کا قولِ ضروری ایسا امر ہے جس کے ہوتے ہوئے نہ روایت پر نظر ہو گی اور نہ ترجیح پر، بلکہ وہی مرجحین کا بھی قول ضروری ہے،

برتقدیر ثانی (یعنی اس مسئلہ میں اسباب ستہ میں سے کوئی سبب نہیں) دو صورتیں ہیں امام سے کوئی روایت ہے یا نہیں (۲) اگر نہیں تو خارج عن المبحث ہے، اور بلاشبہ اس صورت میں مجتہدین فی المذہب کی طرف رجوع ہوگا، اگر روایت ہے تو امام سے روایت مختلف آئی ہے یا بلا اختلاف، اگر بلا اختلاف آئی ہے تو تین صورتیں ہیں، یا تو صاحبین امام کے موافق ہونگے، یا ایک صاحب امام کے موافق ہونگے، یا دونوں حضرات مخالف ہونگے، (۳) پہلی صورت میں قطعاً قولِ امام پر عمل ہوگا، اور کسی مجتہد فی المذہب کیلئے ان حضرات کی مخالفت جائز نہیں، (مگر استثناء اسبابِ ستہ والی صورتوں میں ہوگا، اور یہ ان حضرات کی مخالفت نہیں، بلکہ ان کے خلاف جانے میں انکی مخالفت ہے، (۴) یہی حکم دوسری صورت کا بھی ہے، بصورت سوم دو صورتیں ہیں، یا تو صاحبین کسی ایک حکم پر متفق ہونگے، یا امام کے مخالف ہونے کے ساتھ ساتھ باہم بھی مختلف ہونگے، (۵) بصورتِ دوم مطلقاً قولِ امام پر عمل ہوگا، اور بصورت اول یا تو مرجحین قولِ صاحبین کی ترجیح پر متفق ہونگے، یا قول امام کی ترجیح پر متفق ہونگے، یا کسی ایک کی ترجیح پر اتفاق نہیں ہوگا بایں طور کہ ترجیح کے معاملہ میں اختلاف ہوگا، یا سرے سے کسی کی ترجیح نہیں ہوگی، (۶) پہلی صورت (صاحبین مخالفِ امام لیکن باہم متفق، اور تمام مرجحین کیطرف سے بھی قولِ صاحبین کو ترجیح) نہ کبھی ہوئی ہے نہ ہوسکتی ہے، ہرگز ہرگز کبھی کوئی ایسا جزئیہ نہیں پا سکے گا، (۷) دوسری صورت میں عمل قولِ امام پر ہی ہوگا (۸) تیسری صورت میں اختلاف وارد ہے، ایک

قول یہ ہے کہ اس صورت میں بھی قولِ امام پر عمل ہوگا، اور ایک قول یہ ہے کہ مقلد قولِ امام کی پیروی کرے گا، اور صاحبِ نظر قوت دلیل کی پیروی کرے گا، اور ایک ضعیف قول، جس کے قائل کا بھی پتہ نہیں، یہ ہے کہ: مقلد جس کی چاہے پیروی کرے۔

لہذا ثابت ہوا کہ مقلد پر بہر صورت امام کی تقلید ہی واجب ہے اگر چہ کسی ایک مفتی نے یا چند مفتیوں نے اس کے خلاف فتویٰ دیا ہو، کیونکہ سب کے سب مفتیوں کا خلافِ امام افتاء بجز صورتِ استثناء کے نہ کبھی ہوا ہے اور نہ کبھی ہو گا۔

جبکہ محقق شامی نے اپنے لئے ایک نیا مسئلہ اختیار کیا ہے، جس کی کوئی صحیح سند کتب میں موجود نہیں، وہ مسلک یہ ہے کہ مقلد کو نہ اختیار ہے نہ تقلیدِ امام کی پابندی، بلکہ اس پر یہ ہے کہ قولِ امام کی پیروی کرے۔

اس مدعی پر ۵۴ نصوص اعلیحضرت نے ذکر کی ہیں ان میں سے چند درج ذیل ہیں۔

محیط للسرخسی[۱] اور فتاویٰ ہندیہ[۲] میں ہے "ان دو ضابطوں کی معرفت ضروری ہے (اول) جب ہمارے اصحاب ابو حنیفہؒ، ابو یوسفؒ، امام محمدؒ کسی بات پر متفق ہو جائیں تو قاضی کو اپنی رائے سے انکی مخالفت کرنا جائز نہیں (دوم) اگر ان میں اختلاف ہو جائے تو عبداللہ بن مبارک فرماتے ہیں

[۳] کہ امام صاحب کا قول لیا جائے گا، اس لیے کہ وہ تابعین میں سے تھے۔

فتاوی سراجیہ[۴]، النہر الفائق[۵]، ہندیہ[۶] وحموی[۷] میں ہے: فتویٰ مطلقاً قولِ ابو حنیفہ پر ہوگا، پھر امام ابو یوسف، پھر امام محمد پھر امام زفر پھر امام حسن (توضیح: جب امام کا قول نہ ملے تو وہ ترتیب کا پابند نہیں کہ امام ثانی ہی کی پیروی کرے)

بحر[۸] میں ہے: قد صححوا ان الافتاء بقول الامام علماء نے اسی کو صحیح قرار دیا ہے کہ فتویٰ قولِ امام پر ہوگا۔

شرح عقود[۹] میں حاوی کا کلام نقل کرنے کے بعد فرماتے ہیں: "حاصل یہ کہ جب امام ابو حنیفہؒ اور صاحبینؒ کسی حکم پر متفق ہوں تو اس سے عدول جائز نہیں، مگر ضرورت کے سبب۔ یوں ہی جب صاحبین میں سے ایک ان کے موافق ہوں۔ لیکن جب امام کسی حکم میں صاحبین سے علیحدہ ہوں اور صاحبین الگ الگ ایک حکم رکھتے ہوں تو ظاہر یہی ہے ترجیح قولِ امام کو ہوگی۔

کتاب التجنیس والمزید[۱۰] میں صاحبِ ہدایہ میں ہے: الواجب عندی ان یفتی بقول ابی حنیفة

علی کل حال

طحطاوی اوقات الصلاۃ (۱۱) میں ہے: ’’درر میں جو ذکر کیا ہے کہ فتویٰ مسئلہ شفق میں صاحبین کے قول پر ہے، اس پر علامہ نوح آفندی نے تعاقب کیا ہے کہ: اس پر اعتماد جائز نہیں اس لئے کہ قول امام پر قول صاحبین کو ترجیح نہیں دی جاسکتی مگر ضعفِ دلیل، یا ضرورت یا تعامل یا اختلاف زمان کے سبب درمختار (۱۲) کتاب النکاح میں باب الولی سے ذرا پہلے یہ مسئلہ ہے کہ مرد وعورت نے دعویٰ کیا کہ اس سے میرا نکاح ہو چکا ہے اس دعوے پر جھوٹے گواہ بھی پیش کر دیے اور قاضی نے ثبوتِ نکاح کا فیصلہ بھی کر دیا تو عورت اس مرد کیلئے حلال ہو جائے گی اور صاحبین کے قول پر حلال نہیں ہوگی، شرنبلالیہ میں مواہب کے حوالے سے یہ لکھا ہے کہ صاحبین کے قول پر فتویٰ ہے۔ اس کے تحت ردالمحتار میں کلام ہے: ’’کمال نے فرمایا: قولِ امام اوجہ (بہتر وبادلیل) ہے۔ میں کہتا ہوں جب قولِ امام اوجہ ہے تو اس سے عدول نہ کیا جائے گا کیونکہ یہ امر طے شدہ ہے کہ ضرورت یا قولِ امام کی دلیل ضعیف ہونے کے سوا اور کسی حال میں قولِ امام سے عدول نہ ہوگا جیسا کہ منظومہ رسم المفتی میں ہم واضح کر چکے ہیں۔

الحمدللہ اعلیٰ حضرت علیہ الرحمہ نے بابلغ وجوہ یہ بات ثابت کر کے اور بعد ازاں اس پر تصریحات نقل کر کے اپنے رسالہ معنون باعنوان بنادیا۔

طالبِ شفاعتِ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

محمد احمد سعید سیالوی